معاشرے میں افواہ پھیلانے کے بارے شرعی نقطہ نظر؛ حکم اور سزا

سائرہ طیبہ *

حافظ رضوان عبداللہ **

Abstract

Honor is the most valuable asset of a human being. As it is damaged by anyone, it urges him to take any step. Sometimes a person is more concerned with its safety even than his life. A man has been very sensitive in case of his honor. If this sensitivity is not taken into account, then there would be anxiety and unrest in the society. That is why Islam has declared it as haraam to slander, accuse, slander someone, blame game, transferring rather transforming people's words and spreading rumors. And determined punishments for people who are pursuing to damage respect and dignity of people so that evil would not spread in society and people would be protected from dissatisfaction. Moreover this is the age of media. So in this age, due to the fastest communication means and modern instruments, it is so easy to spread the wordings and leaving their impact upon people is quite a normal thing. Electronic and print media expose many things that cause confusion and anxiety in the society. The great contemporary temptation is the endless series of false propaganda and rumors that need harsh confrontation. In this environment, we can fight against rumors if we follow Islamic teachings and use possible tactics. And we can make them ineffective, rather through these resources, the true Islamic teachings can be conveyed. This research article underlines this point in the context of Islamic teachings in order to ensure the protection of the fundamental right of human dignity through the prevention of rumors.

Keywords: Blame Game, Dignity of Human, Evil Word, False Propaganda, Peace of Society, Prevention of Rumors.

افواہ کے لیے عربی میں " الشائعۃ "کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں: پھیلنا، منتشر ہونا، زیادہ ہونا۔

لسان العرب میں ہے:

شاع یشیع شیعا وشیعانا ..... ظهر وتفرق وشاع انتشر والخبر افترق وذاع الخبر۔ [1]

---

* ریسرچ سکالر، اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

** لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، خانیوال۔

[1] ابن منظور، جمال الدین افریقی، **لسان العرب**، (بیروت: دار صادر بیروت، طبعہ اولیٰ)، ۸: ۱۸۸

"شاع یشیع کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، پھیل جانا، منتشر ہونا اور بکھر جانا اور جب اس کو خبر کے ساتھ منسوب کیا جائے تو معنی ہوتا ہے کہ وہ خبر پھیل گئی، بکھر گئی اور ظاہر ہو گئی۔"

علامہ راغب اصفہانی نے اس لفظ کی وضاحت یوں کی ہے:

شيع: الشِّيَاعُ : الانتشار والتّقوية. يقال : شاع الخبر، أي : كثر وقوي ، وشَاعَ القوم: انتشروا وكثروا، وشَيَّعْتُ النّار بالحطب : قوّيتها ، والشِّيعَةُ : من يتقوّى بهم الإنسان وينتشرون عنه ، ومنه قيل للشّجاع : مَشِيعٌ ، يقال : شِيعَةٌ وشِيَعٌ و أَشْيَاعٌ، قال تعالى : وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْراهِيمَ ، هذا مِنْ شِيعَتِهِ وَهذا مِنْ عَدُوِّهِ، وَجَعَلَ أَهْلَها شِيَعاً ، فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ، وقال تعالى : وَلَقَدْ أَهْلَكْنا أَشْياعَكُمْ.[2]

"عربی زبان میں الشیاع کا معنی ہے: پھیلنا اور مضبوط کرنا۔ اسی سے شاع الخبر کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: زیادہ ہونا اور مضبوط ہونا۔ اور شاع القوم کے معنی ہیں: لوگ منتشر ہو گئے اور زیادہ ہو گئے۔ اور شیعت النار بالحطب کے معنی ہیں: میں نے ایندھن سے آگ کو بڑھایا اور طاقتور کیا۔ اسی سے لفظ الشیعۃ ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے انسان طاقت پکڑتا ہے۔ اس کی جمع شیع اور اشیاع آتی ہے جیسے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْراهِيمَ.[3] (بے شک اُن کے گروہ میں سے ابراہیمؑ (بھی) تھے۔ اور فرمایا: هذا مِنْ شِيعَتِهِ وَهذا مِنْ عَدُوِّهِ.[4] اور فرمایا: وَجَعَلَ أَهْلَها شِيَعاً.[5] اور فرمایا: فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ.[6] اور فرمایا: وَلَقَدْ أَهْلَكْنا أَشْياعَكُمْ."[7]

اردو لغت کی معروف کتاب فرہنگ آصفیہ میں ہے:

"افواہ اڑانا (فعل متعدی): (1) چرچا پھیلانا، جھوٹی خبر مشہور کرنا، بونگی ہانکنا (2) بدنامی کی شہرت کرنا، بدنام کرنا، رسوا کرنا، بہتان لینا۔ افواہ اڑنا (فعل لازم): گپ اڑنا، شہرت اڑنا، چرچا پھیلنا۔"[8]

---

[2] راغب اصفہانی، حسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن**، (بیروت: دار القلم، ۱۴۱۲ھ)، ۴۷۰

[3] الصافات: ۸۳

[4] القصص: ۱۵

[5] القصص: ۴

[6] الحجر: ۱۰

[7] القمر: ۵

[8] سید احمد دہلوی، مولوی، **فرہنگ آصفیہ**، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۱۸۷

درج بالا تعریفات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ ہے کہ اس لفظ کا معنی پھیلنا اور منتشر ہونا ہے۔ کسی خبر کا یہ پھیلاؤ اور انتشار اس قوت اور طاقت کے ساتھ ہوتا ہے کہ معاشرے کے قلوب واذہان پر وہ خبر غالب اور حاوی ہو جاتی ہے۔

افواہ کا اصطلاحی مفہوم:

مختلف اہل علم نے اس کی اصطلاحی تعریف اپنے اپنے انداز میں مختلف الفاظ میں کی ہے جن میں ہر تعریف تنوع کے ساتھ اس کے مفہوم کی وضاحت پر روشنی ڈالتی ہے، مثال کے طور پر مختار تہامی نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"اس سے مراد ہے کسی من گھڑت خبر کو پھیلانا جس کی حقیقت میں کوئی اساس نہ ہو، یا کسی خبر میں مبالغہ آرائی کرنا یا کسی ایسی خبر کو بیان کرتے ہوئے اسے کوئی وزن نہ دینا جس خبر کا حقیقت سے تعلق ہو۔ اس کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ کسی علاقے یا صوبے کے عام لوگوں کی نفسیات کو متاثر کیا جائے، مزید برآں کسی ایک ملک میں یا کئی ممالک میں یا عالمی سطح پر سیاسی، اجتماعی، اقتصادی اور عسکری اہداف کا حصول بھی اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔"[9]

اسی طرح علامہ زید عبد الباقی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اس سے مراد ہے کہ اخبار و اقوال اور روایات کو ان کی صحت کا اطمینان کیے بغیر اور ان کی صداقت کی تحقیق کیے بغیر باہم نقل کیا جائے۔ رائے عامہ کو تبدیل کرنے میں افواہ بڑا خطرناک کردار ادا کرتی ہیں۔"[10]

درج بالا تعریفات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ افواہ کا تعلق اس خبر سے ہوتا ہے جس کا مصدر نا معلوم ہو، صحت مشکوک ہو، اس کی حقیقت اور تہہ تک رسائی نا ممکن ہو، اسے معاشرے میں اس قدر پھیلایا جائے اور عام کیا جائے کہ وہ عام لوگوں کے قلوب و اذہان پر غالب اور حاوی ہو جائے اور ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ناکارہ بنا دے۔ اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کے خیالات میں اضطراب اور انتشار پیدا ہوتا ہے، خیالات کو الجھانے اور قلب و ذہن میں ہیجان پیدا کرنے کے لیے افواہ سازی کا یہ عمل علاقائی سطح پر ہو سکتا ہے اور ملکی اور عالمی سطح پر بھی۔

---

[9] مختار تہامی، **الرای العام والحرب النفسية**، (القاہرہ: دار المعارف، ۱۹۷۲ء)، ۲۱

[10] زیدان عبد الباقی، **وسائل واسالیب الاتصال**، (القاہرہ: دار غریب، ۱۹۷۹ء)، ۴۳۷

افواہ کی مختلف صورتیں:

افواہ کے اہداف اور اثرات کے پیشِ نظر اس کو مختلف انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض افواہ خوف پیدا کرنے والی ہوتی ہیں جن کا بنیادی ہدف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کا سکون برباد کیا جائے اور ان کے دلوں پر خوف طاری کیا جائے۔ عام طور پر ایسی افواہ جنگ کے دنوں میں دشمن کے قدم اکھاڑنے کے لئے پھیلائی جاتی ہیں۔

بعض افواہوں کے پھیلانے کا بنیادی ہدف یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کے دلوں میں بغض، حسد اور نفرت و دشمنی کا بیج بو کر انہیں ایک دوسرے سے دور کیا جائے۔ یہ نفرت کا بیج نسلی بنیادوں پر بھی بویا جاسکتا ہے جیسا کہ اہلِ عرب اور فارس کے مابین کشمکش جاری رہتی ہے۔ نفرت کی دیوار مذہبی اور مسلکی بنیادوں پر بھی کھڑی کی جاسکتی ہے جیسا کہ برصغیر میں ہندو مسلم کشمکش، شیعہ سنی کا نہ ختم ہونے والا جھگڑا اس کی واضح مثالیں ہیں۔

بعض افواہ اس لیے پھیلائی جاتی ہیں تا کہ لوگوں کے درمیان اضطراب، بے چینی اور بد امنی کو فروغ دیا جائے۔ جب جنگ کا خوف ہر وقت کسی قوم پہ چھایا رہے اور پریشانی کے عالم میں وہ بے چین رہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اہم اور حساس معاملات سے ان کی توجہ ہٹ جائے گی اور دشمن اپنے مقاصد کے حصول میں آسانی سے کامیاب ہو جائے گا۔

بعض افواہوں کا مقصد لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلنا، انسانی وقار کو پامال کرنا اور لوگوں میں کسی کو بے آبرو کرنا ہوتا ہے۔ افواہوں کی یہ قسم سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق انسان کی عزت اور اس کے وقار کے ساتھ ہوتا ہے۔ عزت و آبرو انسان کا قیمتی ترین اثاثہ ہے جس کی حفاظت کی خاطر وہ اپنی جان دینے یا کسی کی جان لینے پر اتر آتا ہے۔ گویا اس قسم کی افواہ معاشرے میں اضطراب و بے چینی کے ساتھ ساتھ قتل اور خون ریزی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے لوگوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کا حکم دیا ہے اور اسے پامال کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ شریعت نے جہاں جان ومال کے انتہائی بنیادی حق کے تحفظ کا ذکر کیا ہے وہیں عزت و آبرو کے بنیادی حق کو بھی بیان کیا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا۔[11]

---

[11] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (القاہرہ: دار الشعب، طبعہ اولیٰ، ۱۹۸۷ء)، حدیث: ۶۷

''تمہاری جان، تمہارے مال اور تمہاری عزت و آبرو تمہارے درمیان اسی طرح قابلِ احترام ہیں جس طرح آج کا دن تمہارے اس مہینے اور شہر میں قابلِ احترام ہے۔''

ذیل میں افواہوں کی سزا کی بابت شرعی نقطہ نظر کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ انسانی عزت و آبرو اور معاشرتی امن و سلامتی کے تحفظ کو یقینی بنایا جا سکے۔

افواہوں سے متعلق شرعی نقطۂ نظر:

افواہوں سے متعلق شرعی نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے درج ذیل تین پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا جائے گا:

۱۔ لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے کی حرمت اور ان کی عزت و آبرو کے بنیادی حق کا تحفظ

۲۔ افواہ کی مختلف صورتوں کی شرعی سزا

۳۔ افواہوں کی روک تھام اور انسانی عزت کے تحفظ کے لیے جدید ذرائع ابلاغ و مواصلات کا کردار

لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے کی حرمت اور ان کی عزت و آبرو کے بنیادی حق کا تحفظ:

عام طور پر کسی کے بارے غلط خبر نشر کرنے اور جھوٹی افواہ پھیلانے کا ذریعہ اس کی غیبت ہو سکتا ہے یا لوگوں کو برا بھلا کہنے اور ان کے بارے غلط صحیح گفتگو کرنے کا رویہ ہو سکتا ہے یا حکمرانوں اور علماء کے بارے نامناسب تبصرے کرنے کا رجحان ہو سکتا ہے۔ یہ تین ہی وہ بنیادی پہلو ہیں جہاں سے افواہ جنم لیتی ہے۔ شریعت نے ان تینوں دروازوں کو بند کیا ہے اور افواہ کا سدِباب کیا ہے۔ ذیل میں مندرجہ بالا تینوں پہلوؤں کا مختصر شرعی مطالعہ کیا جاتا ہے:

لوگوں کو برا بھلا کہنے کا حکم:

شریعت اسلامیہ نے عام لوگوں کے بارے گفتگو کرنے کے اصول و آداب مقرر کیے ہیں اور ہر انسان کو ان کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر ان شرعی اصول و ضوابط کا لحاظ کیا جائے تو معاشرے میں پھیلنے والی بہت سی افواہ اپنی موت آپ مر جاتی ہیں۔ عام لوگوں کے بارے گفتگو کرتے وقت شرعی تعلیمات درج ذیل ہیں:

۱۔ شریعت اسلامیہ نے ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کو قابل احترام قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن نجار نے دوسروں کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے شریعت کے جس اصول کو بیان کیا ہے وہ یہی ہے کہ کسی کی عزت و آبرو بارے گفتگو کرنا حرام ہے۔[12] انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

[12] ابن نجار، محمد بن احمد الفتوحی، **شرح الکوکب المنیر**، تحقیق: محمد الزحیلی ونزیہ حماد، (مکتبہ العبیکان، طبعہ ثانیہ، ۱۹۹۷ء)، ۴: ۱۶۲

فان دماءكم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهر كم هذا في بلدكم هذا۔[13]

"یقیناً تمہاری جان، تمہارا مال اور تمہاری عزت و آبرو تمہارے درمیان اسی طرح محترم اور مقدس ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت و تقدیس تمہارے اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔"

۲۔ شریعت میں ناحق کسی کو برا بھلا کہنا حرام ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

سباب المسلم فسوق، و قتاله كفر۔[14]

"مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔"

۳۔ اسی نقطہ نظر سے شریعت نے دوسروں کو ایذا پہنچانے کو حرام قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا.[15]

"اور جو لوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایذا دیں بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو، وہ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔"

۴۔ بالخصوص لوگوں کو برا بھلا کہنے کا گناہ اس وقت اور سنگین ہو جاتا ہے، جب یہ گالی گلوچ اور الزام تراشی کے مرحلے سے گزر کر انسان کو دینی طور پر مطعون کیا جائے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا يرمي رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك.[16]

"کوئی کسی شخص کو کافر یا فاسق کہے اور وہ حقیقت میں کافر یا فاسق نہ ہو تو خود کہنے والا فاسق اور کافر ہو جائے گا۔"

۵۔ معاشرے سے لعن طعن اور گالی گلوچ کی بیماری کا خاتمہ کرنے کے لیے اس میں پہل کرنے والے کو شارع نے بڑے گناہ کا مرتکب قرار دیا ہے، بلکہ اس پر دونوں گالی گلوچ کرنے والے لوگوں کے گناہ کا ذمہ دار قرار دیا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المستبان ما قالا فعلى البادى منهما ما لم يعتد المظلوم.[17]

---

[13] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث:۶۷

[14] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث:۴۸

[15] الاحزاب:۵۸

[16] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث:۶۰۴۵

[17] مسلم بن حجاج، قشیری، **الجامع الصحیح**، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، حدیث: ۲۵۸۷

"باہم گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہتے ہیں، اس کا گناہ اس شخص پر ہو گا جس نے پہل کی ہو جب تک کہ مظلوم حد سے آگے نہ بڑھ جائے۔"

۶۔ زندہ لوگوں کے بارے میں زبان درازی کرنا تو دور کی بات ہے اسلام نے مردوں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے:

لا تسبوا الأموات فإنهم قد أفضوا إلى ما قدموا۔[18]

"مردوں کو برا نہ کہو کیونکہ انھوں نے جیسا عمل کیا اس کا بدلہ پالیا۔"

۷۔ جس چیز کے نقصانات زیادہ ہیں شریعت نے اتنی ہی سختی سے اس سے روکا ہے اور اس فعل کی نوعیت کے حساب سے الفاظ کا انتخاب کیا ہے چونکہ افواہوں کی زد بلواسطہ انسانی حسب ونسب پر پڑتی ہے جو ہر کسی کا بنیادی حق ہے اور جس کی حفاظت ہر حق سے مقدم ہے، اس لیے شریعت نے حسب ونسب پر طعن تشنیع کو کفر سے تعبیر کیا ہے تا کہ لوگ اس سے اپنا دامن بچائیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اثنتان في الناس هما بهم كفر: الطعن في النسب والنياحة على الميت۔[19]

"لوگوں میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں اور وہ دونوں ہی کفر کے کام ہیں؛ حسب نسب میں عیب لگانا، میت پر نوحہ کرنا۔"

۸۔ دوسروں کو برا بھلا کہنے اور سب وشتم کا نشانہ بنانے کے جتنے دروازے تھے، شریعت نے سب بند کر دیے اور اس معاملے کو اتنا حساس شمار کیا کہ نیکوکاروں اور صالحین کی تو بات ہی کیا ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو بھی معین طور پر برا بھلا کہنے سے منع کر دیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شرابی کو کوڑے لگائے، اس پر ایک شخص اپنی بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے بولا: اللہ تجھے ذلیل ورسوا کرے۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تقولوا هكذا، لا تعينوا عليه الشيطان.[20]

"اس طرح کے جملہ نہ کہو، اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔"

---

[18] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث:۱۳۹۳

[19] مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، حدیث:۶۷

[20] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث:۶۷۷۷

۹۔ یہ شریعت کی حساس طبیعت اور انتہائی حکیمانہ اقدام ہے کہ اس نے مشرکین کے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے مبادا وہ لوگ عقیدت کے نشے سے مغلوب ہو کر کوئی حرف غلط اللہ تعالی کے بارے میں زبان پر لے آئیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ.[21]

"اور برا نہ کہو ان کو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، کیونکہ پھر وہ نادانی سے حد سے گزر کر اللہ کو برا کہہ بیٹھیں گے۔"

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان غیر اللہ کی عبادت کے بطلان پر عقلی دلائل نہ دے بلکہ مقصود یہ ہے کہ انسان احسن طریقے اور دانائی سے اللہ کی ربوبیت، الوہیت اور آفاقی سچائی کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اور ایسا انداز اختیار نہ کرے جو سامعین پر گراں گزرے۔

۱۰۔ اسلامی شریعت نے آدمی کے ظاہری امور پر احکام کی بنیاد رکھی ہے، لہذا جو شخص خلاف ظاہر کسی حکم کا دعوی کرے تو اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ شریعت نے باپ سے بیٹے کا تعلق اس بنیاد پر ثابت کیا ہے کہ بچہ نے اس آدمی کے بستر پر جنم لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ کے ہم شکل نہ ہونے کو بنیاد بنا کر بیٹے کے نسب سے انکار کو نبی اکرم ﷺ نے لغو اور باطل قرار دیا۔[22]

شریعت نے یہی اصول سامنے رکھا کہ بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ ظاہری اسباب اور قرائن سے یہی بات سامنے آتی ہے۔ اب اس حقیقت سے ہٹ کر کوئی شخص جو بھی دعوی کرے گا اس پر دلیل ہے۔ اگر وہ دلیل نہ لا سکا تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور اس کی شنوائی نہ ہو گی۔ اس وقت عرب ممالک اور اکثر دوسری قومیں اس سلسلہ میں غلط فہمی کا شکار تھیں اور آج بھی اکثر مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ جہالت کی وجہ سے شکل و شباہت کے نہ ملنے، رنگ و روپ کے خلاف ہونے اور چال ڈھال کے الگ ہونے کو ہی نسب میں طعن تشنیع اور شک و شبہ کی بنیاد قرار دے دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا جس میں شکل و شباہت ثبوت نسب میں

[21] الانعام:۱۰۸

[22] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۷۳۱۴

بہت قوی دلیل بن سکتی تھی لیکن آپ نے اس کا اعتبار نہیں کیا بلکہ یہ اصول بیان فرمایا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔[23]

شکل و صورت اور رنگ روپ کو بنیاد بنا کر نسب پر طعن کرنا مشرکین مکہ کی عادت تھی جس طرح وہ حضرت اسامہ اور زید کے نسب میں شک کا اظہار کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی باتوں کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور اسی اسوۂ حسنہ اور کامل نمونے کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کا بھی یہی طرہ امتیاز ہونا چاہیے کہ وہ افواہوں اور غلط نشریات کی وجہ سے حقائق اور ظاہری امور کو قابل طعن نہ سمجھیں۔

حکام اور علماء کو برا بھلا کہنے کا حکم:

حکام اور علماء انسانی معاشرے میں دو گروہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے لوگ صحیح یا غلط سمت پر چلتے ہیں۔ ان کی حرکات و سکنات انسانی معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور زندگی میں کوئی مسئلہ یا حادثہ درپیش ہو تو فوراً لوگوں کی نظریں انھیں کی طرف اٹھتی ہے، اس لیے ان کی عزت و احترام کے بارے میں کتاب و سنت میں بہت سارے نصوص آئے ہیں۔ حکمران کی اطاعت و فرمانبرداری کے بارے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب و كره ما لم يؤمر بمعصية؛ فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔[24]

"مسلمان کے لیے حاکم کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے، خواہ وہ پسند کرے یا ناپسند کرے، بشرطیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، ہاں جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا باقی رہتا ہے نہ اطاعت کرنا۔"

اسی اطاعت و فرمانبرداری کی حفاظت کے لیے اسلام نے ان کے خلاف طعن و تشنیع سے منع کیا ہے۔ حکمرانوں کے رویے اگرچہ انسانی طبع کے غیر موافق ہوں تب بھی انسان کو صبر کرنا چاہیے اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ان کی اطاعت سے دست کش نہیں ہونا چاہیے۔ یہی راستہ امن و سلامتی کا راستہ ہے اور پرسکون اور باوقار معاشرے کا راز اسی میں پنہاں ہے کیونکہ حکام کو برا بھلا کہنا اور لوگوں کو ان کے خلاف بغاوت پر اکسانا فتنے کا باعث ہے۔ اسی فتنے اور فساد کا قلع قمع کرنے کے لیے آپ نے فرمایا:

---

[23] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۲۰۵۳

[24] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۷۱۴۴

من كره من أميره شيئا؛ فليصبر، فإنه من خرج من السلطان شبرا، مات ميتة جاهلية-[25]

"جو شخص اپنے حاکم میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اس پر صبر کرے کیونکہ حاکم کی اطاعت سے اگر کوئی ایک بالشت بھی باہر نکلا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔"

دوسرا گروہ علمائے شریعت کا ہے یہ لوگ شریعت کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ اللہ تعالی نے علم دین کی وجہ سے ان کو وہ مقام عطا کیا ہے جو دوسرے ایمان والوں کو عطا نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ.[26]

"اللہ تعالی تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جن میں علم دیا گیا ہے درجے بلند کر دے گا۔"

علماء پر طعن و تشنیع کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کی دینی رہنمائی سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جائے گا اور لوگ ان کی وعظ و نصیحت کی باتوں کی پابندی نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کی باتوں پر کان دھریں گے، جب کہ لوگوں پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ علماء کی طرف رجوع کریں اور ان سے دینی معاملات کے بارے میں پوچھیں۔ خاص طور پر فتنہ وفساد کے زمانہ میں علماء سے رجوع کرنا ازبس ضروری ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ-[27]

"جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی، انھوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول اس کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ اور حقیقت تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔"

علماء کی عزت و تکریم دراصل اس بات کا اظہار ہے کہ دین اسلام کے ساتھ اس انسان کا گہرا تعلق ہے اور یہ اس انسان کی اسلام سے محبت کی دلیل ہے کہ وہ دین کا علم رکھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ معاشرے کی بے راہ روی اور بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے علماء کی باتوں کو معمولی سمجھنا شروع کر دیا ہے اور ان کے بیان کردہ مسائل و

[25] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث:۷۰۵۳

[26] المجادلۃ:۱۱

[27] النساء:۸۳

قضایا کو قدیم اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہہ کر فرسودہ قرار دے دیا ہے، حالانکہ یہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہے، لہذا ان کی قدر کرنی چاہیے، ان کو وہ مقام و مرتبہ دینا چاہیے جو اسلام نے دیا ہے۔

غیبت کا شرعی حکم:

انسان کو کسی کی برائی بیان کرنے کا سب سے آسان موقع اس وقت فراہم ہوتا ہے جب دوسرا موجود نہ ہو۔ اسلام کی نگاہ میں یہ نہایت قبیح فعل ہے۔ چونکہ اس میں انسان پردہ اخفا میں دوسروں کی عزت و آبرو پر حملہ کرتا ہے، لہٰذا شریعت نے اس کی سزا بھی سخت بیان کی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ.[28]

"اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے، تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

شریعت میں صرف بہتان ہی حرام نہیں ہے بلکہ دوسروں کے اندر پائے جانے والے ان عیوب و نقائص کو ذکر کرنے کو بھی اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے، جن کے ذکر کرنے کا کوئی شرعی فائدہ نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے غیبت اور اتہام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه فقد بهته۔[29]

"اگر وہ عیب اس میں موجود ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر عیب موجود نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔"

اسلام نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ جو شخص کسی کے عیب کو چھپاتا ہے اللہ اس کے عیوب کو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دے گا، بلکہ اگر کسی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اسلام نے وہاں موجود مسلمانوں کو اس کا دفاع کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

من رد عن عرض أخيه رد الله عن وجهه النار يوم القيامة[30]

---

[28] الحجرات:۱۲

[29] مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، حدیث:۲۵۸۹

[30] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **السنن**، تحقیق: احمد محمد شاکر، (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، حدیث:۱۹۳۱

"جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔"

بغیر کسی شرعی مصلحت کے کسی کے عیوب تلاش کرنے کو اسلام نے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا اور دوسروں کی ٹوہ میں پڑنے سے بھی منع کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يا معشر من أسلم بلسانه، ولم يفض الإيمان إلى قلبه، لا تؤذوا المسلمين، ولا تعيروهم، ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخيه المسلم، تتبع الله عورته، ومن تتبع الله عورته، يفضحه ولو في جوف رحله.[31]

"محض زبان سے اسلام لانے والو! جن کے دل تک ایمان نہیں پہنچا ہے۔ مسلمانوں کو نہ ستاؤ، ان کو عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لیے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب ڈھونڈتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا عیب ڈھونڈتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب ڈھونڈتا ہے، اسے رسوا و ذلیل کر دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔"

شریعتِ اسلامیہ میں افواہوں کی سزا:

افواہوں کی مختلف صورتوں کے پیشِ نظر شریعت نے ان کی مختلف سزائیں تجویز کی ہیں۔ شریعت نے بعض افواہوں کی سزا کو بطور حد بیان کیا ہے اور یہ وہ افواہ ہیں جن کا تعلق انسان کی عزت و آبرو کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض افواہوں کی تعزیری سزا بیان کی گئی ہے جس کا اختیار قاضی کو ہوتا ہے اور وہ اپنے مناسب حال کوئی سزا تجویز کر سکتا ہے۔ ذیل میں افواہوں کی مختلف صورتوں کے پیشِ نظر ان کی سزا کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

حد قذف کی سزا:

قذف یہ ہے کہ کسی پر زنا کی تہمت لگادی جائے۔ اس کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔[32] بلا تحقیق اور بغیر ثبوت کے کسی کے بارے میں ایسی بات کرنا بہت بڑا جرم ہے جس کی زد براہ راست انسانی کی عزت پر پڑتی ہے۔ شریعت نے معاشرے کو اس صورت حال سے بچانے کے لیے حد قذف مقرر کی ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کی سخت ترین سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ.[33]

---

[31] ترمذی، **السنن**، حدیث: ۲۰۳۲

[32] ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، **المغنی**، (بیروت: دار الفکر، طبعہ اولیٰ، ۱۴۰۵ھ)، ۱۰: ۱۹۲

[33] النور: ۲۳

''جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، وہ دنیا آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔''

اس آیت کے پیش نظر بہت سے علماء نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حد قذف دراصل لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کا ہی ایک راستہ ہے۔[34] قذف کی سزا کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَــقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [35]

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کے لیے درج ذیل تین سزائیں بیان کی ہیں:

۱۔ جسمانی سزا، یہ اسی کوڑے مارنا ہے۔

۲۔ تادیبی سزا، یہ جھوٹی تہمت لگانے کے بعد ایسے لوگوں کی شہادت قبول نہ کرنا ہے۔

۳۔ تیسری سزا یہ ہے کہ جھوٹی تہمت لگانے والا فاسق اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے خارج ہے۔[36] ان کی عدالت نہ اللہ کے ہاں معتبر ہے اور نہ لوگوں کے نزدیک معتبر ہے۔[37]

حد قذف (زنا کے بہتان کی سزا) کی شریعت میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ رشتہ داروں کی آپس میں ایک دوسرے کے اعتماد کی حفاظت ہو، حسب و نسب میں کوئی کسی کو ذلیل نہ کرے، بیویوں کے بارے میں شیطان کی طرف سے ڈالے گئے وسوسے اور شبہات دور رہیں اور سب سے بڑھ کر فحاشی کے پھیلاؤ کو روکنے میں یہ مؤثر ہو، کیونکہ جب زنا کی تہمت عام ہو گی تو انسان اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اس سے مانوس ہو جائے گا۔ جب معاشرہ میں یہ جرم عام ہو گا تو لوگوں کے دلوں سے اس کی قباحت کم بلکہ بتدریج ختم ہو جائے گی اسی لیے شریعت نے معاشرے کے اس غلط رجحان پر قابو پانے کے لیے قذف کی سزا مقرر کی ہے تاکہ بعد میں

---

[34] ابن نجار، محمد بن احمد، **شرح الکواکب المنیر**، تحقیق: محمد زحیلی، (مکتبہ العبیکان، طبعہ ثانیہ، ۱۹۹۷ء)، ۴: ۱۶۲

[35] النور: ۴

[36] یوسف حامد العالم، ڈاکٹر، **المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیہ**، (ریاض: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، طبعہ ثانیہ، ۱۹۹۴ء)، ۴۵۷، ۴۵۶

[37] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**، (دار طیبہ، طبعہ ثانیہ، ۱۹۹۹ء)، ۶: ۱۳

پیش آنے والے برے نتائج سے بچا جاسکے۔ کسی پر کفر و شرک کا الزام لگانے پر شریعت نے سزا مقرر نہیں کی، حالانکہ اپنی قباحت میں یہ دونوں الزام بہت بڑے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کی تہمت لگانے والا جب کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرتا ہے تو اس کے جھوٹ کا کوئی گواہ نہیں ہوتا، لہٰذا شریعت نے اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لیے حد قذف مقرر کر دی جبکہ کفر و شرک کا الزام لگانے والے کے خلاف بہت سے مسلمان ہی گواہ کھڑے ہو جاتے ہیں جو ایسا الزام لگانے والے کو جھوٹا ثابت کر دیتے ہیں اس لیے شریعت قذف کی حد مقرر کی اور کفر و شرک کے الزام کی نہیں کی۔[38]

زنا کی تہمت لگانے کے جرم کے خلاف شریعت کی جنگ کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر مکلف (عاقل بالغ) آدمی زنا کا اعتراف کر لے اور کہے کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے تو شریعت اس کو زنا کی سزا دینے کو کافی نہیں سمجھتی ، بلکہ جمہور علماء کے نزدیک شریعت اس کے خلاف (مذکورہ عورت سے زنا کی) تہمت کی سزا کو بھی مقرر کرتی ہے۔[39]

جمہور علماء کی اس رائے کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

أَنَّ رَجُلاً أَتَاهُ فَأَقَرَّ عِنْدَهُ أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ سَمَّاهَا لَهُ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– إِلَى الْمَرْأَةِ فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ فَأَنْكَرَتْ أَنْ تَكُونَ زَنَتْ فَجَلَدَهُ الْحَدَّ وَتَرَكَهَا۔[40]

"ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر یہ اعتراف کیا کی اس نے ایک عورت سے جس کا اس نے نام لیا زنا کیا ہے، تو آپ نے اس عورت کو بلوایا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا اس نے انکار کیا تو آپ نے حد میں صرف مرد کو کوڑے مارے اور عورت کو چھوڑ دیا۔"

لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے کی سزا:

بہت سے معاملات ایسے ہیں جن پر شریعت کی طرف سے کوئی حد لاگو نہیں ہوتی نہ شریعت نے ان کی سزا کو معین طور پر بیان کیا ہے، البتہ یہ چیزیں دوسرے افراد کے لیے باعث تکلیف ہیں مثلاً کسی کے خلاف زبان درازی کر کے اس کی ہتک کی جائے، کسی کو گالی گلوچ کے ذریعے بے عزت کیا جائے، لوگوں کے درمیان فساد برپا کیا جائے یا کسی اور ذریعے سے کسی کو ذلیل و رسوا کیا جائے تو شریعت نے اس پہلو کو یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ کسی خوف و خطر کے بغیر کوئی

---

[38] ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابو بکر، **إعلام الموقعين عن رب العالمين**، تحقیق: طٰہٰ عبد الرؤف سعد، (بیروت: دار الجیل، ۱۹۷۳ء)، ۲: ۸۳؛ یوسف حامد العالم، **المقاصد العامة للشريعة الاسلامیہ**، ۴۵۸

[39] ابن قدامہ، **المغنی**، ۱۰: ۱۶۲؛ **الفتاویٰ الهندية**، (بیروت: دار الفکر، طبعہ ثانیہ، ۱۳۱۰ھ)، ۲: ۱۶۷

[40] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، **السنن**، (بیروت: دار الکتاب العربی)، حدیث: ۴۴۶۸

شخص ہر کسی کو ذلیل کرتا پھرے بلکہ ایسے معاملات وقت کے قاضی اور جج کے سپرد کیے ہیں کہ وہ اپنی صوابدید سے ایسے لوگو ں کے خلاف مناسب قدم اٹھاسکتا ہے اور ان کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مناسب سزا تجویز کر سکتا ہے۔[41]

علمائے اصول نے اس بات کو واضح بیان کیا ہے کہ قذف کے علاوہ کسی کو گالی دینے پر تعزیری سزا کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ شریعت نے یہ تعزیری سزا تجویز کر کے لوگوں کے عزت آبرو کے بنیادی اور ضروری حق کو تحفظ فراہم کیا ہے۔[42]

حقیقت یہ ہے کہ دوسروں پر طعن و تشنیع کی سزا بیان کر کے شریعت نے انسانی عزت و آبرو کے تحفظ کا ہی سامان کیا ہے۔ یہ سزا بھی اسی بنیادی حق انسانی کے مکملات میں سے ہے۔ طعن و تشنیع کی سزا کے ذریعے قذف اور زنا کی تہمت لگانے والوں کا مکمل طور پر سدباب کرنا مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب شریعت کسی کے خلاف محض طعن و تشنیع کو برداشت نہیں کرتی تو تہمت بلکہ زنا کی تہمت کو کیسے برداشت کر سکتی ہے!

امن عامہ پر اثر انداز ہونے والی افواہوں کی سزا:

اسلامی شریعت نے معاشرے کو پر امن اور پر سکون بنانے کا انتہائی اعلیٰ بندوبست کیا ہے اور معاشرتی امن کو تباہ کرنے والے عناصر کا سختی سے نوٹس لیا ہے۔ اس بارے میں مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ جب ان کے پاس ایسی خبر آئے جو معاشرے کے امن وسکون پر اثر انداز ہو تو انہیں فوراً ایسے لوگوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو حقیقت شناس ہیں بلکہ ایسا نہ کرنے والے کو شیطان کا متبع اور پیروکار قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا -[43]

”جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی ہو انہوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ یہ لوگ اسے رسول ﷺ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ اور حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ تم پر ہوتی تو چند لوگوں کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔“

---

[41] ابن قدامہ، **المغنی**، ۱۰: ۲۰۶

[42] ابن نجار، **شرح الکواکب المنیر**، ۴: ۱۶۴

[43] النساء: ۸۳

اسلامی شریعت نے معاشرے پر اثر انداز ہونے والی افواہوں کے خلاف سخت مؤقف اختیار کیا ہے اور حاکم وقت کو ان لوگوں کو مناسب سزا دینے کا حق بھی عطا کیا ہے جو افواہیں پھیلا کر اس کی ترویج و اشاعت کے ذریعے سے امت کی سلامتی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے تو یہاں تک کہا ہے کہ حاکم وقت کو انہیں سزائے موت دینے کا حق ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا. مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا.[44]

"اگر منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینے میں غلط افواہیں پھیلانے والے ہیں باز نہ آئیں تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر تو چند دن ہی آپ کے ساتھ اس (شہر) میں رہ سکیں گے، ان پر پھٹکار برسائی گئی، جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں، اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔"

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد ،یرید ان یشق عصاکم اویفرق جماعتکم فاقتلوہ۔[45]

"اگر کوئی تمہارے پاس آئے اور تم کسی ایک حاکم کی امارت پر متفق ہو جاؤ اور وہ چاہتا ہو کہ تمہاری اجتماعیت کو ختم کر دے تم میں پھوٹ ڈال دے تو تم اسے قتل کر دو۔"

امت میں غلط افواہ پھیلانے والوں کی سزا کی ایک مثال خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطابؓ کے دور حکومت میں سامنے آئی کہ ان کے زمانے کا معروف شاعر حطیئہ اپنے اشعار میں لوگوں کے عیب اچھالتا اور ان کی ہجو کرتا تھا۔ اس کے اس جرم پر سیدنا عمرؓ نے اسے قید کرنے کا حکم دیا۔[46]

لہٰذا جو بھی شخص اس طرح معاشرے کے امن و سکون میں خلل اندازی کا سبب بنتا ہے حاکم وقت یا قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اسے مناسب سزا دے کر امن و سکون بحال کرنے کی کوشش کرے۔

---

[44] الاحزاب: ۶۰۔ ۶۲

[45] مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۱۸۵۲

[46] القرطبی، محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن**، تحقیق: احمد بردونی وابراہیم اطفیش، (القاہرہ: دار الکتب المصریہ، طبعہ ثانیہ ۱۹۶۴ء)، ۱۲: ۱۷۳

افواہوں کی روک تھام اور انسانی عزت کے تحفظ کے لیے جدید ذرائع ابلاغ و مواصلات کا کردار:

اسلام نے مسلمانوں کو افواہوں سے بچانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی ہیں، چند تدابیر درج ذیل ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق عام لوگوں کے ساتھ ہے اور کچھ کا بالخصوص میڈیا سے وابستہ افراد کے ساتھ ہے۔ ذیل میں ان تدابیر کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

افواہوں سے بچاؤ کی عمومی شرعی تدابیر

خبر کی تحقیق کرنے کا حکم:

اسلامی شریعت کا مزاج ہے کہ جو بھی خبر یا بات پہنچے اس کی بنیاد معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رواروی اور بے سروپا بات کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی بلکہ ایسا طرز عمل انسان کے لیے بہت بڑا عیب اور اس کے کردار کو مجروح بنادیتا ہے۔ رسول اللہ نے اس ایک خصلت کو انسان کے جھوٹا اور بے یقین ہونے کے لیے کافی قرار دیا ہے۔[47]

اسلامی شریعت نے اگرچہ مباح اور جائز بات کہنے کی اجازت دی ہے لیکن ساتھ ساتھ اس بات کی تلقین و ترغیب بھی دی ہے کہ صرف وہی بات کی جائے جو نفع بخش اور مفید ہو۔[48]

افواہوں کی ترویج دراصل فواحش و منکرات کی ترویج ہے۔ اللہ تعالی نے افواہوں اور پروپیگنڈوں کی ترویج کو بڑے گناہ (زنا) کے پھیلانے کے زمرے میں رکھا ہے، ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.[49]

"جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے خواہاں رہتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر نے لکھا ہے:

هذا تأديب ثالث لمن سمع شيئا من الكلام السيئ فقام بذهنه شي منه، فلا يتكلم به ولا يكثر منه ولا يشيعه ولا يذيعه فقد قال تعالى: (إن الذين يحبون أن تشنيع الفاحشة في الذين امنوا) أي يختارون ظهور الكلام عنهم القبيح .[50]

---

[47] مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، حدیث:۵

[48] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث:۲۰۱۹

[49] النور:۱۹

"اللہ تعالی کی طرف سے یہ اس انسان کے لیے تیسری بار تادیب ہے جس نے غلط بات سنی اور اس کے کچھ اثرات اس کے ذہن میں باقی رہ گئے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ نہ تو اس کو اپنی زبان سے بیان کرے، نہ اس میں اضافہ کرے اور نہ اس کی اشاعت وترویج کرے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایاہے "جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں۔ یعنی وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی جانب سے قبیح باتیں ظہور پذیر ہوں۔"

واقعہ افک میں اللہ تعالی نے جھوٹی افواہ پھیلانے والوں کی مذمت کی، ارشاد باری تعالی ہے:

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ. [51]

"جب تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمھیں مطلق خبر نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے، لیکن اللہ تعالی کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔"

اللہ تعالی نے ان کے اس فعل کو انتہائی بلیغ انداز میں یوں بیان کیاہے: واذ تلقونه بألسنتكم. "جب تم اس کو زبانوں سے نقل کر رہے تھے۔" حالانکہ کوئی بھی خبر ہو انسان پہلے کان سے سنتاہے، پھر زبان سے اس کی تعبیر کرتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے ان افواہوں اور خبروں میں صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں غور وفکر نہیں کیا بلکہ جونہی خبر پہنچی زبان سے بیان کر دی، بجائے اس کے کہ وہ خبر ان کے کانوں پر سے گزرتی وہ اس کو توجہ سے سنتے یا ان کی عقل پر گزرتی وہ اس پر غور کرتے۔ جب ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ خبر براہ راست ان کی زبان تک پہنچی اور زبان نے بلا تامل اس کو بیان کر دیا تو اللہ تعالی نے بھی زبان کے کردار کو نمایاں کر کے بیان کر دیا۔ یہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کا انتہائی اعلی نمونہ ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں مشہور تابعی امام سعید بن جبیر فرماتے ہیں:

في هذه الآية عبرة عظيمة لجميع المسلمين إذا كانت فيهم خطيئته، فمن أعان عليها بفعل او كلام او عرض لها او أعجبه ذلك أو رضي به فهو في تلك الخطيئة على قدر ما كان منه . [52]

"اس آیت کریمہ میں تمام مسلمانوں کے لیے بڑی عبرت ونصیحت ہے کہ اگر ان میں کوئی برائی پائی جاتی ہو تو جس شخص نے بھی اس برائی میں اپنے قول وفعل یا مال ودولت سے حصہ لیا، اس کے پھیلنے میں مدد کی یا اسے پسند کیا اور سراہا اور اس سے اپنی خوشی اور رضامندی ظاہر کی تو وہ اس گناہ میں بقدر حصہ ذمہ دار ہو گا۔"

---

[50] ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، ۳: ۲۸۵

[51] النور: ۱۴۔۱۷

[52] سیوطی، عبد الرحمان بن ابی بکر، **الدر المنثور فی التفسیر بالماثور**، (مصر: دار ہجر، ۲۰۰۳ء)، ۱۰: ۱۷۱

افواہوں کی تصدیق کرنے پر زجر و توبیخ:

واقعہ افک میں جن مسلمانوں نے جھوٹی افواہ کی تصدیق کی تھی اللہ نے انھیں سخت زجر و توبیخ کی اور قصوروار ٹھہرایا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ.[53]

"اسے سنتے ہی مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے۔"

آگے فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ.[54]

"اگر اللہ تعالی کے فضل و کرم پر دنیا و آخرت میں نہ ہو تا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمھیں بڑا عذاب پہنچتا۔"

صحیح معلومات پر اعتماد کرنا:

اللہ تعالی نے اہل ایمان کی خوبی بیان کی ہے کہ وہ صرف صحیح اور ٹھوس معلومات پر اعتماد کرتے ہیں، فرمایا:

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ.[55]

"جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔"

عزت و آبرو کا تقدس اجاگر کرنا:

اسلامی شریعت نے افواہوں اور جھوٹی نشریات کے رد و ابطال کا ایک یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں عزت و آبرو کے تقدس کو اجاگر کیا ہے اور کہا ہے کہ جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔[56]

---

[53] النور:۱۲

[54] النور:۱۴

[55] الزمر:۱۸

[56] ترمذی، **السنن**، حدیث:۱۹۳۱

شکوک وشبہات سے دور رہنا:

اسی طرح شریعت نے ان افواہوں کا راستہ بند کرنے کے لیے مسلمانوں کو شکوک وشبہات والی چیزوں سے دور رکھا ہے اور جو شخص اپنا دامن شبہ والی چیز سے پاک رکھتا ہے شریعت نے اس کی حوصلہ افزائی اور تعریف کی ہے اور اس کو حفاظت دین کا ایک اہم ذریعہ شمار کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے:

الْحَلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ.[57]

"حلال واضح ہے اور حرام بھی بالکل واضح ہے، ان دونوں کے درمیان کچھ اشیاء مشتبہ ہیں جن سے لوگوں کی اکثریت ناواقف ہے۔ جو شخص شبہ والی چیزوں سے بچ گیا تو درحقیقت اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔"

یہی وجہ تھی کہ جب ایک غزوہ میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے فتنہ انگیزی کی ناکام کوشش کی تو کچھ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کو قتل کرنے کی تجویز پیش کی۔ چونکہ یہ منافق بظاہر کلمہ گو اور مسلمان تھا اس لیے آپ نے اس تجویز کو قبول نہ کیا تاکہ اس کے بظاہر اسلام سے عوام کے دلوں میں شکوک وشبہات نہ جنم لیں۔[58]

افواہوں کے خلاف جنگ میں جدید ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری:

جدید دور میں جس چیز نے انسانی ترقی کی تیز رفتاری میں سب سے مؤثر کردار ادا کیا وہ ذرائع ابلاغ ہیں۔ دنیا کے کسی دور دراز کونے میں کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے لیکن ذرائع ابلاغ کی بدولت پل بھر میں ساری دنیا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوتی ہے۔ ان ذرائع پر مکمل انسانی اختیار ہے۔ انسان چاہے تو ان کے ذریعے جھوٹے پروپیگنڈے کو ہوا دے سکتا ہے اور چاہے تو ان جھوٹی نشریات کے خلاف اعلان جنگ کرکے نوبل کردار بھی ادا کر سکتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے مالکان اور ذمہ داران درج ذیل مختلف ذرائع استعمال کرکے افواہوں کے خلاف لڑ سکتے ہیں:

ا۔ بالکل صحیح اور صاف معلومات کو پیش کیا جائے کیونکہ صحیح اور سچی خبروں کی موجودگی میں جھوٹی خبریں اور افواہ بالکل غیر مؤثر اور غیر فعال ہو جاتی ہیں۔

[57] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۵۲

[58] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۳۵۱۸

عہد نبوی میں منافقین اسلامی معاشرے میں فتنہ وفساد برپا کرنے کے لیے غلط افواہ پھیلاتے۔ لیکن جب صحیح معلومات آجاتیں تو اللہ تعالیٰ اسے ان کی نظروں کے سامنے زائل کرتا اور لوگوں کے لیے حق واضح ہو جاتا:

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ۔[59]

"یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے تلاش کرتے رہے اور آپ کے لیے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا حکم غالب آگیا۔ باوجودیکہ وہ ناخوشی ہی میں رہے۔"

۲۔ افواہوں کو ختم کرنے کا راستہ یہ ہے کہ ان افواہوں کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کیا جائے، میڈیا پر لوگوں کا شعور بیدار کیا جائے، ان کے ضمیر کو بیدار کیا جائے۔ اور ہوس اور حرص کے بجائے ان میں قناعت اور اطمینان پیدا کیا جائے۔ جب لوگ بیدار مغز، زندہ دل اور حساس ہوں گے تو بے بنیاد افواہوں اور جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والے ذرائع سے خود بخود بچ سکیں گے۔ یہ ذمہ داری بھی میڈیا کے اینکرز، نیوز چینلز کے ذمہ داران اور ابلاغ و نشریات سے متعلقہ ہر شخص کی ہے۔

3۔ جھوٹی افواہوں کو روکنے کا یہ انتہائی اور بھرپور اقدام ہے کہ ذرائع ابلاغ سرے سے ہی ان افواہوں کو اپنی توجہ کا مستحق نہ سمجھیں اور نہ ان کی ترویج واشاعت کریں۔

جدید ذرائع ابلاغ کو افواہوں سے دور رکھنے کی تجاویز:

جدید ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں کے لیے ضروری ہے کہ جو خبریں اور معلومات ان تک پہنچتی ہیں وہ انہیں ہر شعبہ کے ثقہ اور قابل اعتماد ماہرین کے سامنے پیش کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[60]

"اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔"

حدیث میں ہے کہ سفر میں ایک بیمار آدمی جنبی ہو گیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا آپ لوگ مجھے تیمم کی اجازت دیتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں، کوئی رخصت نہیں ہے۔ تو اس نے غسل کر لیا اور اسی وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا۔ جب نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

---

[59] التوبۃ: ۴۸

[60] النحل: ۴۳

قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَلاَّ سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ [61]

"ان لوگوں نے (تیمم کی رخصت نہ دے کر) اسے مار ڈالا، اللہ ان کو مار ڈالے جب ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے پوچھ کیوں نہیں لیا۔ ؟نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے۔"

جدید ذرائع ابلاغ کا انحصار اپنے شائقین پر ہے۔ شائقین کی کثرت کسی بھی چینل اور ذریعہ ابلاغ کی کامیابی کا ثبوت ہے اور جس کے شائقین کم ہوں یا نہ ہونے کے برابر ہوں اس کا نتیجہ بالآخر ناکامی ہے، لہٰذا جو ذرائع غلط افکار، اور باطل نظریات پھیلاتے ہیں لوگوں کے سامنے ان کی اصلیت کا پردہ اٹھانا چاہیے تاکہ لوگوں کے دلوں میں جہاں ان کے خلاف نفرت پیدا ہو وہاں ان کے برے اور زہریلے اثرات سے بھی بچ سکیں۔ اس کے ساتھ ناظرین میں ایسی صلاحیت پیدا کی جائے جس سے وہ سچ اور جھوٹ کو پرکھ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے عمرؓ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ٹکڑا دیکھا تو فوراً اس سے منع کیا اور فرمایا:

أمتهوكون فيها يا بن الخطاب والذي نفسي بيده لقد جئتكم بها بيضاء نقية لا تسألوهم عن شيء فيخبروكم بحق فتكذبوا به أو بباطل فتصدقوا به والذي نفسي بيده لو أن موسى صلى الله عليه و سلم كان حيا ما وسعه إلا أن يتبعني۔ [62]

"اے عمر بن خطاب! کیا تم تورات کو پڑھ کر ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔"

سیدنا عمر بن خطاب کا مقام و مرتبہ مسلمہ ہے، فقاہت شریعت فہمی اور بصیرت میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان ساری باتوں کے باوجود جب انہوں نے باطل پر کان دھرا تو رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ صدیاں گزر جانے کے بعد آج اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ میرے پاس علم و معرفت ہے اور میں ذہنی طور پر اتنا بالغ ہوں کہ باطل کا سننا میرے لیے نقصان دہ نہیں تو اس کی یہ ساری باتیں درست نہ ہوں گی۔ کیونکہ حق میں باطل سے بے نیازی ہے۔ جس کے پاس حق کا نور ہے وہ اس کے ذریعے سے باطل کی تاریکی کو اجالوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔ خاص طور پر اس انسان کی یہ باتیں اس وقت تو بالکل سطحی اور غیر حقیقت پسندانہ متصور ہوں گی جب اس میں کوئی شرعی مصلحت بھی پیش نظر نہ ہو۔ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

---

[61] ابو داؤد، **السنن**، حدیث: ۳۳۶

[62] احمد بن حنبل، **المسند**، (قاہرہ: مؤسسۃ قرطبہ قاہرہ)، ۳: ۳۸۷، حدیث: ۱۵۱۹۵

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى نَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم أَحْدَثُ الأَخْبَارِ بِاللَّهِ تَقْرَؤُونَهُ لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللَّهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ وَغَيَّرُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ فَقَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلاً أَفَلاَ يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مُسَاءَلَتِهِمْ ، وَلاَ وَاللَّهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلاً قَطُّ يَسْأَلُكُمْ، عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ۔[63]

"اے مسلمانو! اہل کتاب سے تم کیوں سوالات کرتے ہو تمہاری کتاب جو تمہارے رسول پر نازل ہوئی ہے اللہ کی طرف سے سب سے بعد میں نازل ہونے والی خبریں ہیں۔ تم اسے پڑھتے ہو اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمھیں پہلے ہی بتا چکا ہے کہ اہل کتاب نے اس کتاب کو بدل دیا، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دی تھی۔ اور خود ہی اس میں تحریف کر دی اور پھر کہنے لگے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے۔ ان کا مقصد اس سے صرف یہ تھا کہ اس طرح تھوڑی جمع پونجی (دنیا کی) حاصل کر سکیں۔ پس کیا جو علم (قرآن) تمہارے پاس آیا ہے۔ وہ تم کو ان (اہل کتاب) سے پوچھنے کو کوئی نہیں روکتا اگر کوئی شرعی مصلحت نہ ہو۔"

جھوٹی افواہوں کا راستہ روکنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ باطل افکار نشر کرنے والے ذرائع ابلاغ کے مقابلے میں نئے ذرائع ابلاغ اور چینل اسی مقدار سے کھولے جائیں تاکہ یہ ذرائع ابلاغ حق کی ترویج اور باطل کا ابطال کر سکیں۔ امت کے تمام ادوار میں یہی طریقہ رہا کہ جب بدعات و گمراہیوں نے زور پکڑا تب علماء نے ان کے ردو ابطال میں کتابیں تالیف کیں۔ موجودہ دور میں لوگوں کا زیادہ رجحان میڈیا کی طرف ہے لہذا باطل نظریات اور جھوٹے پروپیگنڈے کا جواب دینے اوران کا ابطال کرنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو لوگوں کی توجہ کا باعث ہو اور مؤثر طور پر لوگوں تک سچی تعلیمات اور صحیح نشریات بھی پہنچا سکتا ہو۔

خلاصہ بحث:

مذکورہ بالا بحث سے ہمارے سامنے یہ نتیجہ نکلا کہ اسلامی شریعت نے عزت آبرو کے بنیادی حق کی حفاظت دو طریقوں سے کی ہے:

ا۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ شریعت نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ شکوک شبہات کے مقامات سے دور رہیں۔ معلومات کو قابل اعتماد ذرائع سے حاصل کریں اور ظاہری امور ومسائل پر غور کریں۔

---

[63] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۲۶۸۵

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شریعت نے ان افواہوں تک پہنچنے کا ہر راستہ بند کردیا ہے۔مثلا جھوٹ کو حرام قرار دیا ہے،افواہوں کی نشرواشاعت اورتصدیق و تائید سے منع کیا، دوسروں کی شخصیت کو مجروح کرنے سے روکا،یہ لوگ اگر فاسق وفاجرہوں جب تک وہاں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو سچائی کے ہوتے ہوئے بھی ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا،اسی طرح حدقذف اوردیگر مناسب تعزیرات کا تصور دینا سب ایسے راستے ہیں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ انہیں جھوٹی افواہوں کا سد باب کرنے کے لیے کافی ہیں۔

عقیدہ و فکر،مال ودولت،صحت اورامن کو متاثر کرنے والی افواہوں کے خلاف جنگ کرکے دراصل اسلامی شریعت نے مسلم معاشرے کی اصلاح کرنے والی اقدار کی حفاظت کی ہے،اور اسی امن و امان کے تحفظ کے لیے اسلامی شریعت نے حکام اورعلماء کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط اور جھوٹی افواہوں کوبڑی سختی سے منع کیا ہے۔دور حاضر میں متعدد ذرائع ابلاغ موجود ہیں جنہیں ان افواہوں کو ختم کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔اس کاطریقہ یہ ہے کہ صحیح معلومات نشر کی جائیں،بے بنیاد خبروں کی اشاعت سے اجتناب کیاجائے۔ہر خبر کو قابلِ اعتماد اور ثقہ ماہرین کے حوالے کیاجائے۔اسی طرح ان وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لانا بھی ضروری ہے جو حق کی نشرو اشاعت کریں اور غلط اور بے بنیاد افواہ پھیلانے والوں کو بے نقاب کرکے اصل حقیقت لوگوں کے سامنے لائیں۔